مطبوعات

بامِ رفعت | مجموعۂ کلام جناب اثر صہبائی، شائع کردہ: اکادمی پنجاب، ادبی دنیا منزل لاہور۔ قیمت مجلد تین روپے۔

اثر صہبائی اردو زبان کے ایک مشہور شاعر ہیں جنہوں نے بے جا جدت طرازی کی رَو میں پڑے بغیر اپنا ایک سنجیدہ طرز پیدا کیا ہے۔ یہ چیز ہمیں آتی ہے کہ قلب و نظر کی دنیاؤں میں بیشتر کارواں نقطۂ مجاز سے چلے اور پھر بھٹکتے بھٹکاتے سیدھے مقامِ حقیقت پہ جا نکلے۔ اثر صہبائی کے خیال اور فن کی بھی سرگذشت یہی ہے۔ دراصل انسانی روح کا وہ حسن ہوتا ہے جبکہ وہ غایات و مقاصد کے میدانِ انتخاب میں چھوٹی چھوٹی خواہشوں کے پیچھے لپکتی ہے لیکن پے در پے ٹھوکریں کھاتی ہے اور ہر ٹھوکر اسے بالیدگی دے کر کسی بلند تر غایت و مقصد کی طرف متوجہ کرتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ ہزار گم گشتگیوں کے بعد کسی مرحلے پر منزلِ جاناں نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ وہ صرف ناکارہ روحیں ہوتی ہیں جو یا تو ہمیشہ کے لیے اپنے عالمِ طفولیت میں گم سم رہ جاتی ہیں، یا کوئی ٹھوکر کھا لینے کے بعد یاس و نامرادی کے گڑھے میں گر جاتی ہیں۔ جس روح میں جوہرِ خودی زندہ ہوتا ہے وہ پیش پا افتادگی سے ابتدا کرنے کے باوجود بالآخر آزادگی کی انتہا تک جا پہنچتی ہیں۔ اثر صہبائی کے فن میں جو روح منعکس نظر آتی ہے وہ اپنے جوہرِ خودی کے بل پر ٹھوکریں کھاتی ہوئی آگے بڑھتی گئی ہے اور بالآخر پہنچی وہیں جہاں یہ خاکِ جہاں کا خمیر تھا! خود اثر صہبائی سے یہ روداد سنیے:-

ہم نے کتنی ہی ٹھوکریں کھائیں ۔۔۔ جب کہیں راہِ راست پر آئے!
تھا نہ اک بھی نشانِ منزل کا ۔۔۔ گو ہزاروں نشاں نظر آئے!

ابتدائی دورِ گم گشتگی کی کیفیات کا یہ شعر پوری طرح ترجمان ہے کہ:-

رہینِ نالہ ہوں اک طفلِ گم شدہ کی طرح ۔۔۔ اندھیری رات ہے اور وسعتیں بیاباں کی

اس طفلِ گم شدہ پر جو کچھ گذری وہ بھی ملاحظہ ہو:-

میں نے چاہا تھا کہ اک پھول کو توڑوں لیکن ۔۔۔ چبھ گیا خار بھی اور پھول بھی توڑا نہ گیا!
مدعا بھی نہ ملا اور دلِ مضطر بھی ۔۔۔ ٹکڑے ٹکڑے ہوا اس طرح کہ جوڑا نہ گیا!

یہی گم گشتگی آخرکار کہاں جا پہنچاتی ہے :-

سرِ حدِ عقل سے پرے، رفعتِ عرش سے بلند
جانے کہاں نکل گیا میں تجھے ڈھونڈتا ہوا

اثر صہبائی نے اپنے ذہنی سفر کی روداد "نورِ حق" نامی مخمس میں اپنی زبان سے خود کہہ سنائی ہے۔ پہلی منزل وہ تھی جبکہ شاعر نے وقت کے پردۂ تاریک پر یہ مصرعہ لکھا کہ "گلشنِ زیست کی ہے شاہد و مینا سے بہار" لیکن یہ نقش و نگار دیکھتے ہی دیکھتے مٹ گئے۔ دوسری منزل میں پہنچ کر وہ ایک اور نقش ڈالتا ہے "مقصدِ زیست ہے تکمیلِ ہنر عظمتِ نام" لیکن یہ الفاظ بھی وقت کے پردۂ تاریک میں روپوش ہو گئے۔ تیسری منزل میں پہنچ کر وہ ایک اور حقیقت کا نقش مرتسم کرتا ہے، وہ یہ کہ "حق ہی وہ نور ہے جو تا بہ ابد ہے روشن" نتیجہ یہ کہ ظلمتِ وقت کا پتے کا پتے کافور ہو جاتی ہے۔ نفس پرستی، فن پرستی اور شہرت پرستی ہے پست مقامات کو چھوڑ کر آخرکار حق پرستی کے بامِ رفعت پر آنمودار ہونے والا اثر صہبائی اب جس مسلک اور مشن کا علمبردار ہے وہ ہے باطل کے خلاف نبرد آزمائی! اس کی گواہی نہ صرف "پس منظر" نام کے دیباچے سے، بلکہ "کشمکش حق و باطل" (ص۱۵۱) "باطل اور حق" (ص۱۷۰) "دختر اہرمن اور شاعر" (ص۱۲۷) جیسی مقصدی نظموں سے واضح طور پر ملتی ہے۔

اس سلسلے میں اثر صہبائی کے آئیڈیل انسان کا نقشہ ہمیں "مردِ حق" (ص۹۷) کے عنوان سے ملتا ہے۔ دراصل مردِ حق اور مردِ مومن اور مردِ قلندر کے ناموں سے اقبالؒ نے اپنے تصوراتی انسان کو پیش کیا ہے۔ اثر صہبائی نے یہ اصطلاحی نام غالباً وہیں سے لیا ہے۔ اس کے علاوہ "حقیقتِ دل" (ص۱۱۹) میں بھی اثر کا معیاری انسان جلوہ گر نظر آتا ہے۔

اثر صہبائی کا مقصودِ نظریہ ہے کہ "دنیا میں حکمِ یزداں ہو جاری" اسی مقصود کے لیے وہ کشمکش خیر و شر کے میدان میں اترتا ہے اور اس کشمکش کی گذشتہ تاریخ پر مختلف عنوانات کے تحت نظر ڈالتا ہوا اپنے لیے رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جہاں ایک طرف اثر کی شاعری عزم و ہمت کا درس دیتی ہے، وہاں دوسری طرف کشمکشِ حق و باطل کے سلسلے میں وہ غیر شعوری طور پر ایک مایوسانہ نقطۂ نظر تک جا پہنچتا ہے۔ غالباً یہ مایوسی اس کے دورِ اول کا چھوڑا ہوا اثر ہے۔ چنانچہ وہ ایک ڈھکے ہوئے انداز میں کہتا ہے کہ "عجیب کشمکش خیر و شر رہی تا زیست"۔ اور انجام کیا ہوا؟ "عدم کی گود میں تھک تھک کے سو گیا آخر"۔ غالباً اثر صہبائی کو "اجتماعی ماحول"

کی طاقت کا اندازہ نہیں کہ جس کو توڑنے کے لیے لمبی منظم جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ "حکمِ یزداں" (ص ۳۶) کے عنوان سے وہ ایک بار پھر گویا یہ کہنا سنائی دیتا ہے کہ "کچھ نہیں ہو سکتا"، کیونکہ ہزار جدوجہد کے باوجود —

انساں کی لیکن فطرت وہی ہے — باطل کی شب کی ظلمت وہی ہے
نیکی کی تقدیر ہے طوق و زنداں — رنگیں و دلکش ہے بزمِ عصیاں

اب اس کے جذبے حسرت کا رنگ اختیار کرتے ہیں اور آخر ٹھنڈی آہ بھر کر کہتا ہے کہ "اُسے کاش باطل کا سحر ٹوٹے"۔ اس مقام پر آکر وہ جب یہ کہتا ہے کہ "اُسے کاش آئے کوئی مسیحا" تو گویا عام مسلمانوں کی طرح ہتھیار ڈال کر کسی "مردے از غیب" کے انتظار میں بیٹھ جاتا ہے۔ اور اس "مردے از غیب" کا تصور بھی ویسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسا مسلمانوں میں دورِ زوال سے چل پڑا ہے کہ وہ نظر کی کرامت سے بازی مار لے گا۔ حالانکہ ایسا مردِ خدا جب بھی اُٹھے گا تو اسے بیگانوں کی دشمنیوں اور اپنوں کی گالیوں اور سازشوں کے درمیان خیال اور عمل کے ہر میدان میں معرکے لڑنے ہوں گے اور وہ اُن آزمائشوں سے زیادہ روح فرسا ہوں گے جن کا محدود سا تجربہ اثر صہبائی صاحب کو ہوا ہے۔

افسوس ہے کہ ہم بامِ رفعت کے نشان زدکیے ہوئے اشعار یہاں پیش نہیں کر سکے۔ بس حرفِ آخر کے طور پر اتنا ضرور کہیں گے کہ اثر کی شاعری میں ایک مسلم دل دھڑک رہا ہے۔

اس مجموعے میں نظموں کے علاوہ غزلیں، رباعیاں اور قطعات بھی شامل ہیں۔ طباعتی معیار اچھا ہے مگر کتابت کی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ جلد سنہری ڈائی کے ساتھ ہے۔ فروخت کے لیے پبلشرز یونائیٹڈ لاہور کو سول ایجنٹ مقرر کیا گیا ہے۔